(قسط نہم)

ایمان اور اس کے ثمرات و مضمرات

(سورہ تغابن کی روشنی میں)

ڈاکٹر اسرار احمد

یہ جوان کافروں کا استبعاد اور استعجاب تھا، اس کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۔ ان کو یہ مغالطہ ہو گیا ہے کہ وہ اٹھائے نہیں جائیں گے یا اٹھائے نہیں جا سکیں گے۔ یہ مضمون سورۂ قیامہ میں بڑے شرح و بسط کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ اور یہ سورہ بھی ہمارے منتخب نصاب میں شامل ہے۔ ان شاء اللہ موقع ملا تو اس پوری سورت کا کبھی آئندہ اجتماعی مطالعہ کریں گے۔ اس مرتبہ وقت کی کمی کے باعث اس کا درس نہیں ہو سکے گا۔ البتہ میں اس موقع پر اس سورت کی چند آیات کا مختصر بیان کروں گا جن کا تعلق اس مضمون سے ہے، جو اس وقت ہمارے زیر مطالعہ ہے۔ وہاں فرمایا اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۝ ”کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں کر سکیں گے"۔ بڑا ہی احمق ہے یہ انسان، اس نے ہماری قدرت کے بارے میں کیسا غلط تصور قائم کر رکھا ہے۔ "کیوں نہیں ہم تو قادر ہیں اس پر کہ اس کے ایک ایک جوڑ اور پور کو درست کر دیں"۔ یہاں دلیل کیا ہے؟ قدرتِ خداوندی۔ اگر خدا کو مانا ہے کمالِ قدرت کے ساتھ، تو پھر تمہارے لئے یہاں استبعاد و استعجاب کا کوئی مقام نہیں۔ اور اگر اس کو ایک عاجز اور ضعیف، کمزور اور بیچارہ ہستی مانتے ہو تو یہ خدا نہ ہوا۔ پس جس طرح دو اور دو چار ہوتے ہیں، اسی طرح تم کو لازماً ماننا پڑے گا کہ یہ تعجب بے بنیاد ہے۔ سورہ قیامہ کو آخر میں اسی مضمون پر جا کر ختم کیا ہے کہ تم ذرا دیکھو تو سہی، کہاں کہاں سے تمہیں پیدا کیا ہے۔ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ۝ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ۝ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۝ تم خود اپنی حقیقت پر غور کرو کہ تم گندے پانی کی ایک بوند تھے، جو ٹپکائی گئی، اسی سے ایک لوتھڑا بنا دیا پھر اس لوتھڑے کو مزید ترقی دی، تمہیں حیات بخشی، تمہاری ــــ

صورت گری کی اور تمہیں کھڑا کر دیا، اسی بوند میں سے مذکر و مؤنث بالکل مختلف اصناف برآمد کر دیئے۔ تو جو یہ قدرت رکھتا ہے کیا وہ اسی طرح مردوں کو زندہ نہیں کر سکتا۔ اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی ؏ یہاں سارا استدلال اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہے اس لئے کہ قیامت اور حشر و نشر کا جو مثبت استدلال ہے وہ تو ہے اخلاقی استدلال۔ نیکی اور بدی اگر حقیقی قدریں ہیں تو لازماً نتائج نکلنے چاہئیں۔ جزا و سزا ہونی چاہیئے اور دوسرا عالم لازماً ہونا چاہئے۔ یہ معاد کا مثبت استدلال ہوا منفی استدلال یہ کہ کفار تعجب کرتے تھے کہ یہ کیسے ہوگا تو ان کے اس استعجاب پر اللہ کی قدرتِ کاملہ سے استدلال لایا جائے گا۔ اَفَعَیِیْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ، کیا ایک مرتبہ پیدا کرنے کے بعد ہم عاجز ہو گئے ہیں، تھک گئے ہیں، ہماری قوتِ تخلیق ختم ہو گئی ہے! کیا یہ تصوّر ہے تمہارا! تو ان تصورات کے ابطال کے لئے جو دلیل آئے گی وہ اللہ کی قدرت سے آئے گی۔ اسی لئے پہلے منوالیا اور تسلیم کرالیا کہ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۵ جب اس بات کو مان لیا تو آگے تمہارے بولنے کے لئے اب کوئی موقع اور گنجائش نہیں۔ ہاں اگر خدا کو عاجز مانتے ہو تو پھر دوسری بات ہے۔ اعتراض کرو۔ فرمایا۔ زَعَمَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْا ؕ ان کو یہ مغالطہ ہو گیا ہے کہ ان کو اٹھایا نہیں جائے گا۔ یا اٹھایا نہیں جاسکے گا۔ آگے جو بیان آرہا ہے وہ بہت ہی اہم ہے۔ اس لئے میں ایک ایک لفظ کو لے کر اس کی تشریح کروں گا۔ فرمایا، قُلْ۔ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے۔ یہاں توجہ کیجئے کہ ان کے اس زعم کے براہ راست ابطال کے بجائے نبی اکرم کو حکم ہو رہا ہے کہ آپ فرما دیجئے۔ کیا فرمائیں؟ بَلٰی۔ کیوں نہیں۔ وَرَبِّیْ اور میرے رب کی قسم ہے، میں اپنے پروردگار کی قسم کھا کر کہتا ہوں لَتُبْعَثُنَّ تم لازماً اٹھائے جاؤ گے۔ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ اور پھر تمہیں لازماً جتلا دیا جائے گا، جو کچھ تم نے کیا ہوگا۔ وَذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ ۵ اور یہ اللہ پر بڑا آسان ہے۔ اسے قادر مانا ہے تو یہ آسان ماننا پڑے گا۔ یا پھر اسے عاجز مانو، اگر یہ تمہارے لئے بڑے تعجب کی بات ہے۔ اسی لئے سورۂ رعد میں فرمایا۔ وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُھُمْ ءَاِذَا کُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ؕ اگر تعجب ہی کرنا ہے تو تعجب انگیز بات تو ان کی ہے کہ یہ اس قادر مطلق کے متعلق یہ تصوّر رکھتے ہیں کہ جب مٹی ہو جائیں گے تو دوبارہ کیسے پیدا کئے جائیں گے۔ خدا کا دوبارہ پیدا کرنا تعجب انگیز نہیں ہے بلکہ تعجب انگیز ان کا قول ہے کہ وہ خدا جس نے ان کو پہلی بار وجود بخشا وہ دوبارہ کیسے پیدا کر دے گا۔! اگر خدا کو مانتے ہو، اسے خالق تسلیم کرتے ہو اور اس کو قادر مطلق سمجھتے ہو تو اس تعجب

کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ سورۃ یٰسٓ میں کفار کے اس سوال کے جواب میں کہ ہماری بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا! نبی اکرمؐ نے فرمایا۔ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِيٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ۝ آپؐ کہدیجئے کہ وہ دوبارہ پیدا کرے گا جس نے پہلی بار ان کو حیات بخشی اور وجود عطا کیا اور وہ سب طرح پیدا کرنا جانتا ہے۔ یہاں بھی دلیل اللہ کی صفت تخلیق، صفت علم اور صفت قدرت سے لائی گئی ہے۔ فرمایا" قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ط یہاں اس بات پر غور کر لیجئے جو میں نے سورہ آل عمران کے آخری رکوع کی ابتدائی آیات کے درس میں کہی تھی کہ ایمان عقلی سے ایمان حقیقی تک (مرضی نامرضی قدمے فاصلہ دارد) فرق بہت معمولی معلوم ہوتا ہے لیکن بڑا عجیب فرق ہے۔ ایمان عقلی انسان کو صرف اشارہ دیتا ہے اور اسے اس مقام تک لے کر آتا ہے کہ "ہاں ایسا ہونا چاہیئے۔ کوئی خدا موجود ہے اور وہ تمام صفات کمال سے متصف ہے اور کوئی جزاء و سزا بھی ہونی چاہیئے۔ کوئی دوسرا عالم ہونا چاہیئے، بدلہ ملنا چاہیئے، یہاں تک تو عقل لے آتی ہے۔ لیکن یہ بات کہ لازماً یوم حساب آ کر رہے گا۔ لازماً حساب و کتاب ہوگا۔ لازماً جزا و سزا مل کر رہے گی میں جانتا ہوں کہ یوں ہی ہے" یہ بات کہتا ہے رسول۔ اور وہ یہ بات اپنے علم حقیقی اور علم ذاتی کی بنیاد پر کہتا ہے۔ اپنے مشاہدہ کی بنیاد پر کہتا ہے۔ اسے جو اس علم غیب کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے، اس کو جو حقائق کائنات دکھائے جاتے ہیں۔ یہ جو جنت و دوزخ کی معراج میں سیر کرائی گئی وہ یوں ہی نہیں تھی۔ یہ کوئی تفریح (Excursion) نہیں تھی۔ یہ درحقیقت اس لئے تھا کہ رسالت میں وہ یقین محکم و مجسم پیدا ہو جائے کہ وہ پھر اس ذاتی یقین و مشاہدہ کی بنیاد پر شہادت دے کہ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید۔ جو کچھ کہہ رہا ہوں دیکھا ہوا کہہ رہا ہوں۔ میرے لئے یہ غیب نہیں ہے۔ بلکہ مجھے مشاہدہ کرا دیا گیا ہے۔ میرے لئے حجابات دور کر دیئے گئے ہیں تب ہی وہ زور پیدا ہوا قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ۔ کہہ دیجئے کیوں نہیں۔ مجھے میرے رب کی قسم ہے کہ ایسا ہو کر رہے گا۔ لَتُبْعَثُنَّ۔ تم لازماً اٹھائے جاؤ گے اور پھر تم لازماً جتلائے جاؤ گے جو کچھ تم کرتے رہے ہو۔ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ط۔ میں پچھلے درس میں بتا چکا ہوں کہ لام مفتوح مضارع سے پہلے اور پھر نون مشدد آخر میں ہو تو اس سے زیادہ تاکید کا کوئی اور اسلوب اور انداز عربی زبان میں نہیں ہے۔ آغاز نبوت کے جو حضورؐ کے تبلیغی اور دعوتی خطبات، احادیث میں بیان ہوئے ہیں ان میں سے ایک خطبہ کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ اسی لفظ "قُلْ" پر حضورؐ کا عمل ہے، بڑا ہی پُر تاثیر خطبہ ہے۔ اسے یاد کر لینا چاہیئے، ہر شخص کو جسے لگاؤ ہے محبت

ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے) بالکل آغاز میں حضورؐ نے ایک مرتبہ بنو ہاشم اور قریش کے چیدہ چیدہ لوگوں کو جمع کیا پھر آپؐ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ پہلے پورا خطبہ سن لیجئے، پھر میں اس کا ترجمہ اور تشریح کروں گا۔

"اِنَّ الرَّائِدَ لَا یَکْذِبُ اَھْلَہٗ وَاللّٰہِ لَوْ کَذَبْتُ النَّاسَ جَمِیْعًا
مَا کَذَبْتُکُمْ وَلَوْ غَرَرْتُ النَّاسَ جَمِیْعًا مَا غَرَرْتُکُمْ
وَاللّٰہِ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اِنِّیْ لَرَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ خَاصَّۃً
وَّاِلَی النَّاسِ کَافَّۃً۔ وَاللّٰہِ لَتَمُوْتُنَّ کَمَا تَنَامُوْنَ ثُمَّ لَتُبْعَثُنَّ
کَمَا تَسْتَیْقِظُوْنَ ثُمَّ لَتُحَاسَبُنَّ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ثُمَّ لَتُجْزَوُنَّ
بِالْاِحْسَانِ اِحْسَانًا وَّ بِالسُّوْءِ سُوْءٌ وَاِنَّھَا لَجَنَّۃٌ اَبَدًا اَوْ
لَنَارٌ اَبَدًا"

فرمایا، اِنَّ الرَّائِدَ لَا یَکْذِبُ اَھْلَہٗ دیکھو قافلہ کا جو راہنما ہوتا ہے۔ رائد اصل میں کہتے ہیں اس شخص کو جو قافلہ سے ایک منزل آگے چلے اور جو اگلا پڑاؤ متعین کرے، کہاں ٹھہریں گے، کہاں پانی ہے، چارہ ہے، اس لئے کہ سفر عرب کا ہے، ذرا ادھر ادھر ہو جائیں تو پورا قافلہ سخت خطرہ میں پڑ جائے گا۔ اگر پانی اور چارہ نہ ملا ___ لہٰذا جو معتمد ترین انسان ہوتا تھا اس کو اس خدمت پہ مامور کیا جاتا تھا کہ جاؤ آگے جیسے کہ سورۂ یوسف میں آیا، فَاَرْسَلُوْا وَارِدَھُمْ فَاَدْلٰی دَلْوَہٗ ط آگے آگے چلنے والا جو پانی کی ٹوہ لے رہا ہے کہ اس کنویں میں پانی بھی ہے کہ نہیں فرمایا۔ اِنَّ الرَّائِدَ لَا یَکْذِبُ اَھْلَہٗ ط یہاں سے حضورؐ گفتگو کا آغاز فرما رہے ہیں کہ کبھی رائد نے بھی اپنے قافلہ کو دھوکا دیا ہے ؛ نہیں دیا کیونکہ وہ معتمد ترین شخص ہوتا ہے تو حضورؐ اپنی شخصیت کو بطور تمثیل پیش کر کے فرما رہے ہیں کہ میرا معاملہ تمہارے ساتھ وہی ہے جو کسی قافلہ کے ساتھ رائد کا ہوتا ہے۔ یہ کیوں ؟ اس کو بھی سمجھ لیجئے :۔ ایک تو اس پہلو سے مثال ہے اور تشبیہ ہے کہ رائد ہوتا ہے سب سے زیادہ معتمد علیہ اور مجھے تو خود کہتے ہو کہ میں الصادق اور الامین ہوں۔ دوسرے اس پہلو اور اعتبار سے کہ رائد آگے چلتا ہے اور اگلی منزل کی خبر دیتا ہے اور میں پورے قافلۂ انسانیت کو اس کی زندگی کی اگلی منزل کی خبر دے رہا ہوں۔ میں عالمِ آخرت کی خبر دینے والا بن کر آیا ہوں۔ نذیر بن کر آیا ہوں۔ بشیر بن کر آیا ہوں۔ وہاں کا انذار و تبشیر لئے ہوئے ہوں۔ اس اعتبار سے بھی رائد ہوں۔ اِنَّ الرَّائِدَ لَا یَکْذِبُ اَھْلَہٗ۔ وَاللّٰہِ۔ خدا کی قسم لَوْ کَذَبْتُ

النَّاسَ جَمِيعًا مَا كَذَبْتُكُمْ۔ اگر بفرضِ محال میں تمام انسانوں سے جھوٹ بول سکتا تب بھی تم سے تو نہ بولتا۔ تم میرے عزیز ہو، اقارب ہو، رشتہ دار ہو، بھائی بند ہو۔ تم سے جھوٹ بولتا؟ وَلَوْ غَرَرْتُ النَّاسَ جَمِيعًا مَا غَرَرْتُكُمْ

اگر انسانوں کو بفرضِ محال میں دھوکا اور فریب دے سکتا، تب بھی یہ دھوکے اور فریب کا معاملہ تم سے تو نہ کرتا۔ یہ ہے آغاز۔ خطبہ کا اسلوب دیکھیے۔ شان دیکھیے کہ کس انداز سے بات ہو رہی ہے۔ مدلل بھی ہے اور پھر اس میں ایک اپیل بھی ہے، پرسنل اپیل ہے اور اپنی شخصیت کو سامنے رکھا جا رہا ہے۔ اس کے بعد حضورؐ اپنی اصل دعوت شروع فرماتے ہیں۔ وَاللّٰهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ۔ اس خدا کی قسم کہ جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ کوئی معبود نہیں۔ کوئی حاکم اور آقا نہیں ـــــ یہ بات کہنے والے کون ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جن کی شخصیت کا لوہا خود معاشرہ مان چکا ہے اور الصادق اور الامین کا خطاب دے چکا ہے۔ گویا کہ خود معاشرہ اپنے ہاتھ تڑوا چکا ہے۔ کوئی بولے تو کیا بولے! جھوٹ کا الزام تو ابوجہل نہیں لگا سکا نبی اکرمؐ پر۔ اسی بات کو قرآن مجید میں سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتا ہے: فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِينَ بِآيَاتِ اللّٰهِ يَجْحَدُونَ۔ اے نبیؐ آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں، یہ آپ کی تکذیب نہیں کر رہے، خدا کو جھٹلا رہے ہیں۔ آپؐ کو تو انہوں نے آج تک نہیں کہا کہ آپؐ جھوٹے ہیں۔ آپؐ پر تو بڑے سے بڑا کٹر سے کٹر دشمن اور منکر بھی کذب کا الزام نہ لگا سکا۔ وَاللّٰهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ إِنِّي لَرَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ خَاصَّةً وَإِلَى النَّاسِ كَافَّةً: مجھے اس خدا کی قسم ہے جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں کہ میں واقعتاً اسی کا بھیجا ہوا ہوں، اسی کا فرستادہ ہوں۔ اسی کا رسول ہوں، تمہاری طرف بالخصوص اور پوری نوعِ انسانی کی طرف بالعموم۔ اس خطبہ میں بڑے اہم نکات ہیں۔ اسی ایک جملہ سے حضورؐ کی دو بعثتیں متعین ہو گئیں۔ بعثتِ خصوصی إلى أهل العرب، اور بعثتِ عمومی إلى كافة الناس۔ اب وہ بات حضورؐ ارشاد فرما رہے ہیں جو سورۂ تغابن کے اسی "قُلْ" پرتو نظر آتا ہے۔ وَاللّٰهِ: خدا کی قسم لَتَمُوتُنَّ كَمَا تَنَامُونَ۔ تم لازماً مر جاؤ گے، تم پر لازماً موت کی نیند طاری ہو جائے گی۔ جیسے روزانہ رات کو تم سو جاتے ہو۔ جیسے روزانہ رات کو یہ نیند، یہ موت کی چھوٹی بہن آتی ہے اور تم پر مسلط ہو جاتی ہے، ایسے ہی تمہاری زندگی کی ایک شام ایسی آئے گی کہ پوری زندگی کی شام کہ جس میں تم موت کی نیند سو جاؤ گے۔ یہ بھی روز کا مشاہدہ ہے۔ اس سے بھی انکار کی کسی کو

مجال نہیں ہے۔ ایسے مسلمات سے گفتگو کی جارہی ہے جو مختلف فیہ نہ ہوں وَاللّٰہِ لَتَمُوْتُنَّ کَمَا تَنَامُوْنَ. ثُمَّ لَتُبْعَثُنَّ کَمَا تَسْتَیْقِظُوْنَ ۔ اللہ کی قسم کہ تم لازماً ایک دن موت کی نیند سو جاؤ گے جیسے ہر رات کو سوتے ہو، پھر تم کو لازماً اٹھا لیا جائے گا جیسے روزانہ صبح بیدار ہوتے ہو، جیسے روزانہ نیند سے اٹھتے ہو، ویسے ہی ایک دن اس موت کی نیند سے بھی آنکھ کھلے گی" فرق یہ ہوگا کہ روزانہ اسی عالم میں جاگتے ہو اور وہ آنکھ کھلے گی کسی اور عالم میں لیکن خدا کے نزدیک اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ خدا تمہیں جس طرح روزانہ صبح جگاتا ہے، ایسے ہی اس دن تمہیں جگائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ صبح اٹھنے کی حضورؐ کی دعا وہ ہے جس میں یہ تشبیہ دی گئی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانِیْ بَعْدَ مَا اَمَاتَنِیْ وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ "اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے از سرِ نو زندہ کیا۔ اس کے بعد کہ مجھ پر موت کی نیند طاری کر دی تھی اور بالآخر اسی طرح اس کی طرف لوٹ جاؤں گا" یہ ریہرسل ہے جس کی ہر صبح آپ کو تعلیم و تلقین کی گئی ہے اس میدانِ حشر میں جاگنے کی اور میرا خیال ہے کہ اگر کسی بندے کی یہ عادت بن گئی ہے اور اس کا یہ معمول ہو گیا ہے کہ جب وہ روزانہ صبح کو اٹھتا ہے تو یہ کلمات آپ سے آپ اس کی زبان پہ جاری ہو جاتے ہیں تو اِنْ شَاءَ اللّٰہ ۔ جس روز وہ میدانِ حشر میں موت کی نیند سے جاگے گا تو یقیناً یہی کلمات اس کی زبان پہ جاری ہوں گے ۔ الحمد للہ الذی احیانی بعد ما اماتنی والیہ النشور ۔ یہ کلمہ بامعنی اسی وقت ہوگا ۔ روزانہ مجاز کے طور پر بولا جا رہا ہے، حقیقتاً اس کا اطلاق اس وقت ہوگا وَاللّٰہِ لَتَمُوْتُنَّ کَمَا تَنَامُوْنَ ثُمَّ لَتُبْعَثُنَّ کَمَا تَسْتَیْقِظُوْنَ ثُمَّ لَتُحَاسَبُنَّ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ط پھر لازماً تم سے تمہارے اعمال کی پوچھ گچھ ہوگی۔ لازماً تمہارا محاسبہ ہوگا۔ تمہارے اعمال کا حساب و کتاب لیا جائے گا۔ ثُمَّ لَتُجْزَوُنَّ بِالْاِحْسَانِ اِحْسَانًا وَبِالسُّوْءِ سُوْءًا ۔ پھر لازماً جزا مل کر رہے گی، بدلہ مل کر رہے گا۔ بھلائی کا بھلائی کے ساتھ اور برائی کا برائی کے ساتھ ۔ اور وہ جزا و بدلہ کیا ہوگا - وَاِنَّہَا لَجَنَّۃُ الْاَبَدِ اَوْ لَنَارُ الْاَبَدِ، یا ہے ہمیشہ ہمیش کے لئے جنت میں داخلہ یا ہے ہمیشہ ہمیش کے لئے دوزخ کے حوالے ہو جانا۔ یہ ہے حضورؐ کی دعوت کا انداز آپ کے اولین زمانے کے خطبات کا اسلوب۔ اس خطبہ سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ حضورؐ کی دعوت کا مرکزی نقطہ کیا تھا؟ اسلوب کیا تھا کس یقین کے ساتھ آپ بات کر رہے تھے۔ قسمیں کھا کر اللہ تعالیٰ کی۔ یہی اسلوب اس آیت کا ہے جو ہم پڑھ رہے ہیں۔ قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ

لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۔ یہاں آپ کو کوئی منطقی دلیل نہیں ملے گی ۔ دلیل یہاں لفظ "قُلْ" ہے ۔ یہاں کافروں کے اس زعم باطل کے ردّ اور ابطال میں کہ ہم دوبارہ اٹھائے نہ جائیں گے یا اٹھائے نہ جاسکیں گے ۔ حضورؐ کو حکم ہو رہا ہے کہ آپ پورے یقین کے ساتھ، اللہ کی قسم کھا کر، اپنے اللہ کو شہادت میں پیش کرتے ہوئے کہئے کہ "لازماً ایسا ہوگا" ۔ یہاں اصل میں نبی اکرمؐ کی شخصیت کا وزن ہے بطورِ دلیل ۔ کون کہہ رہا ہے! کس کی بات ہے! کس کی زبان سے یہ کلمات ادا کرائے جا رہے ہیں ؛ اس کی شخصیت کا عالم کیا ہے! اس کی صداقت اور امانت کے بارے میں رائے کیا ہے! اس کے کردار کا لوہا کس طرح منوایا جاچکا ہے! وہ شخص ہے کہ جو قسم کھا کر خبر دے رہا ہے اور پورے یقین اور محکم ایقین کے ساتھ خبر دے رہا ہے ۔ یہ نہیں کہہ رہا کہ میرا گمان یہ ہے، میرا خیال یہ ہے، میری عقل یہ حکم لگاتی ہے ۔ مجھے محسوس ہوتا ہے ۔ یہ فلسفیانہ کلام نہیں ہے ۔ یہ اس ہستی کا کلام نہیں ہے جس میں شبہ کا کوئی ذرا سا بھی امکان اور شائبہ موجود ہو ۔ یہ کلام اللہ کا کلام ہے جو وہ اپنے رسول، اپنے نبی کی زبان سے ادا کر رہا ہے اور وہ رسول اس یقین والیقان کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے اس کا دیکھا ہوا ہے اور واقعتاً نبوت و رسالت اسی چیز کا نام ہے کہ اس کائنات کے بہت سے حجابات اس کے لئے اٹھائے جاتے ہیں ۔ حقائق کی سیر کرائی جاتی ہے ۔ عالم غیب پر مطلع کیا جاتا ہے ۔ "عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ" تو معلوم ہوا کہ یہاں اگرچہ کوئی منطقی دلیل نہیں ہے ۔ لیکن یہ بھی نہیں ہے کہ سرے سے کوئی دلیل ہی نہ ہو ۔ درحقیقت یہاں جو دلیل مضمر ہے، وہ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ کی شخصیت ہے ۔ آپ لوگوں نے سیرت کے مطالعہ کے دوران یہ بات پڑھی ہوگی کہ حضورؐ نے کوہ صفا پر جو پہلا دعوتی اور تبلیغی خطبہ دیا ہے تو پہلے لوگوں سے یہ دریافت فرمایا کہ تم نے مجھے کیسا پایا ہے ۔ اپنی اس صداقت، امانت اور دیانت کی پہلے ان سے تصدیق و توثیق کرائی ، جو معاشرہ تسلیم کر چکا تھا ۔ جس شخص نے کبھی جھوٹ نہ بولا ہو، جس کا شعار ہی سچ اور صدق ہو، جس نے کبھی کسی کو دھوکا اور فریب نہیں دیا ۔ تو جس نے کبھی دنیا کے کسی معاملہ میں جھوٹ نہ بولا ہو، کسی کو دھوکا نہ دیا ہو، کیا وہ خدا پر جھوٹ باندھنے لگ جائے گا ۔ کیا وہ نوعِ انسانی کو فریب دینے کے لئے آمادہ ہو جائے گا! پس حضورؐ کی یہی سیرت و کردار اور یہی اسوۂ حسنہ یہاں پس منظر میں بطور دلیل پنہاں ہے ۔ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۚ وَذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ٥ یہاں ساتویں آیت ختم ہوئی اور بعث بعد الموت کا ایک خاص اسلوب سے بیان ہوگیا ۔۔۔ یہاں تک تینوں ایمانیات اث

توحید ۔ رسالت اور معاد ۔ اب ذرا ترتیب پر نگاہ باز گشت ڈالئے ۔ توحید پر چار آیتیں، رسالت پر دو آیتیں اور معاد پر ایک آیت۔ ایک ترتیب اگر یہ ہے۔ اس ترتیب کے حوالے سے ایک بات ذہن نشین کر لیجئے کہ نظری اور فکری نقطۂ نظر کا جہاں تک تعلق ہے۔ اصل ایمان ہے ایمان باللہ۔ ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرۃ ۔ دونوں درحقیقت ایمان باللہ ہی کی فروع ہیں۔ اس کی شاخیں ہیں، جڑ جو ہے وہ ایمان باللہ ہے۔ اس کی شہادت میں ایمان مجمل اور ایمان مفصل سے دیتا ہوں جو امید ہے کہ آپ میں سے ہر ایک کو یاد ہوگا۔ ایمان مجمل میں صرف ایمان باللہ کا ذکر ہے ' اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَائِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ ۔ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ

ایمان مکمل ہو گیا۔ اس میں نہ رسالت کا، نہ ملائکہ کا، نہ آخرت کا، نہ بعث بعد الموت کا، نہ کتابوں کا، نہ جنت و دوزخ کا، نہ قضاء و قدر کا، ان میں سے کسی بات کا کوئی ذکر نہیں۔ اسی اجمال کی تفصیل ہے جو ایمان مفصل میں بیان کی گئی ہے۔ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ ۔ گویا اسی ایمان باللہ کی تفسیر و تشریح ہے۔ یہ نقشہ ذہن میں ہو تو یہ سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی کہ اصل ایمان۔ ایمان باللہ ہے۔ ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرۃ دونوں اس کی فروع ہیں۔ اسی کے یہ متعلقات ہیں شاخیں ہیں ———— اسی ایک جڑ سے نکلی ہوئی ہیں۔ لیکن قانونی اور عملی اعتبار سے اصل ایمان ہے ' ایمان بالرسالت۔ اس لئے کہ ایمان بالآخرۃ بھی وہی معتبر ہوگا جو ان تفاصیل کے ساتھ ہو، جن کی خبر ہمیں رسالت کے واسطے سے ملی ہو اور ایمان باللہ بھی وہی معتبر ہوگا جو ان اسماء و صفات کے ساتھ ہو جس کی خبر ہمیں رسالت کے ذریعے ملی ہو۔ یہ مختلف تقسیمیں اعتبارات کے لحاظ سے آخر میں مل جل جاتی ہیں۔ نظری و فکری اعتبار سے اصل جڑ ایمان کی ' ایمان باللہ۔ قانونی اور عملی اعتبار سے اصل ایمان، ایمان بالرسالۃ ' اور عمل کو درست رکھنے کے لئے ' تازیانۂ عمل کے طور پر اصل ایمان ' ایمان بالآخرۃ ہے اگر ایمان باللہ بھی ہے اور ایمان بالرسالۃ بھی ہے تو صحیح ایمان ہے۔ لیکن اگر ایمان بالآخرۃ میں کوئی گھپلا کر دیا گیا ہے۔ جیسے ہمارے ہاں عقیدۂ شفاعت کی غلط تفسیر و شرح اور غلط تصور سے گھپلا ہو گیا ہے کہ آخرت کے ماننے والے اور مقر تو سب ہی ہیں لیکن آخرت کا اندیشہ اور خوف کسی کو نہیں۔ ڈر کاہے کا۔ میاں مٹھو کو تو ال ڈر کاہے کا۔ جب وہاں سارے مراحل شفاعت کے ذریعے سے طے ہو جائیں

گے تو خوف کیا! بس اسی طرح ایمان بالآخرۃ ایک نظری سی چیز بن کر رہ گئی ہے۔ عمل کے
لئے اس میں کوئی مہمیز اور تازیانہ نہیں ہے۔ کوئی محرک موجود نہیں کہ حرام سے بچیں تو کیوں بچیں
اگر حرام سے زیادہ مل سکتا ہے تو حاصل کرو، وہاں شفاعت موجود ہی ہے۔ وہاں تو ہمارے
لئے خدا کی مغفرت پہلے سے محفوظ اور طے شدہ ہے ـــــ پس معلوم ہوا کہ عمل کو درست
رکھنے والی چیز اگر کوئی ہے تو وہ آخرت کا صحیح ایمان ہے۔ ورنہ یہ سارے ایمان دھرے رہ جائیں
گے اور عمل میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوگی۔ تو یہ مختلف پہلو ہیں، جن کے اعتبار سے ایمان
کے جو اجزائے ثلاثہ ہیں وہ باہم مربوط ہو جاتے ہیں اور ایک وحدت بن جاتے ہیں۔ ان ایمانیات
کو اختصار سے بیان کرنے کے بعد اب ایمان کی براہِ راست دعوت دی جا رہی ہے۔ چنانچہ آٹھویں
آیت پڑھیئے جو دعوتِ ایمانیات ثلاثہ پر مشتمل ہے۔ یہاں آپ دیکھیں گے کہ اگلی دو آیتوں (۹،۱۰)
میں سب سے زیادہ زور ایمان بالآخرۃ پر ہے۔ چونکہ درحقیقت یہی ایمان بالآخرۃ ہے جو
عمل کو درست رکھنے کی کلید ہے۔ فرمایا: فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ
اَنْزَلْنَا ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ○ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر (صلی اللہ
علیہ وسلم) اور اس نور پر کہ جو ہم نے نازل کیا یعنی یہ قرآن مجید، کلام اللہ المجید۔ اور جان لو کہ جو کچھ
تم کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ وہ جزئیات سے بھی واقف ہے، محض کلیات کے
حافظ میں نہ رہ جانا "لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَۃً وَّلَا کَبِیْرَۃً اِلَّآ اَحْصٰھَا" وہی بات جو
سورۃ لقمان کے دوسرے رکوع کے درس میں بھی بیان ہوئی تھی۔ یٰبُنَیَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ
مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ
بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ○ ـــ اب نویں آیت لیجئے۔ فرمایا: يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ
لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ اب پھر ایمان بالآخرۃ کی بات ہو رہی ہے۔ دعوتِ ایمانی
میں ایمان باللہ مقدم۔ ایمان بالرسالت اس کے بعد، جیسے فرمایا فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
اس کے بعد وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا۔ پر ایمان کی دعوت۔ رسول اور کتاب دونوں مل
کر ایمان بالرسالۃ کی تکمیل ہوتی ہے۔ چونکہ کتاب رسول ہی لے کر آتے ہیں۔ پھر اب تیسرے
ایمان ایمان بالآخرۃ کا بیان ہوا۔ "وہ دن کہ جس دن وہ تمہیں جمع کرے گا، جمع کرنے کے
دن، وہ دن ہے ہار جیت کے فیصلے کا" تغابن کے لفظ کے بارے میں جان لیجئے کہ یہ باب تفاعل
کا مصدر ہے اور اس کا مادہ لفظ "غبن" ہے۔ یہ ہمارے ہاں بھی مستعمل ہے، کسی کو نقصان

پہنچانا، کسی کا مال دبالینا۔ مالک کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں تصرف کرلینا، یہ غبن ہے۔ باب تفاعل میں تغابن اسی کیفیت کو پیش کر رہا ہے کہ یہاں دنیا میں جو باہم معاملات ہوتے ہیں ان میں ہر فریق یہ چاہتا ہے کہ وہ دوسرے سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرے۔ آپ دوکاندار کے پاس گئے اور اس سے مول تول کیا، تو مول تول کی جو ساری کشمکش آپ کے اور دوکاندار کے مابین ہوگی، اس کا مفاد یہ ہوگا کہ دوکاندار آپ سے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنا چاہے گا اور آپ یہ چاہیں گے کہ زیادہ سے زیادہ منفعت مجھے حاصل ہو جائے۔ پس حصولِ نفع اور مسابقت کی اس کشمکش کا نام ہے تَغَابُن ۔ ہارجیت یا نفع ونقصان میں رہنے کی یا مسابقت کی جو کشمکش ہوئی تو یہ تغابن ہے۔ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ط اصل میں اس روز کھلے گا کہ کون جیتا اور کون ہارا؟ کون کامیاب رہا، کون ناکام ہوا؟ بظاہر ابوجہل اس وقت بڑا کامیاب ہے، جب چاہا اس نے ایک برچھا مارا اور حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہلاک کر دیا، ایک اور برچھا مارا اور حضرت یاسرؓ کو ہلاک کر دیا۔ اس کی قوت کا، اس کے شان وشوکت، اس کے دبدبہ کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ سب سے بڑا پڑاؤ وہ کہتا تھا کہ میرا ہی ہے، میری ہی چوپال میں سب سے زیادہ لوگ بیٹھتے ہیں۔ میری پارٹی سب سے بڑی ہے۔ میرا جتھا سب سے بڑا ہے لیکن اصل میں تو وہاں جاکر کھلے گا کہ کون کیا تھا؟ کس کی کیا حقیقت تھی! کون کتنے پانی میں تھا۔ کس کے پاس واقعتاً قوت تھی۔ کون کتنا اثاثہ لے کر آیا۔ کون بامراد ہوا اور کون نامراد ہوا؟ ہار کس کی ہوئی اور جیت کس کی! اس دنیا کی ہارجیت، کامیابی اور ناکامی، مسابقت ومنقبت فانی ہے۔ اس کا وہاں کوئی وزن نہیں ہوگا، کوئی قدر وقیمت نہیں ہوگی۔ یہاں کا نفع ونقصان وہاں بے کار محض ہوگا۔ اصل تختہ اور باقی Balance Sheet وہاں پیش ہوگی۔ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ط وہ دن کہ جس دن وہ تمہیں جمع کرے گا، جمع کرنے کے دن۔ وہ ہے ہارجیت کے فیصلے کا دن، اور وہ ہارجیت کیا ہے؟ اس کی تفصیل کیا ہے؟ اسے آگے بیان کیا گیا۔ فرمایا: وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ "جو یہاں دنیا میں خدا پر ایمان رکھے گا، پختہ یقین کے ساتھ رکھے گا اور عمل کرے گا درست۔ تو اللہ تعالیٰ اس سے اس کی برائیوں کو دور فرمادے گا۔ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط اور داخل کرے گا انہیں ان باغات میں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی، ان

باغات میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ؀ یہی ہے بڑی کامیابی، اصل کامیابی، اور یہی ہے اصل جیت ـــــ اور اس کے برعکس وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَکَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَاۤ ۔ جنہوں نے ناقدری کی اس نبوّت کی، رسالت کی، قرآن کی۔ انکار کیا خدا کا، حضورؐ کا، قیامت کا اور تکذیب کی ہماری آیات کی، جھٹلایا ہماری نشانیوں کو ـــــ یہاں ایک بات ذہن نشین کر لیجئے کہ قرآن مجید میں جہاں کفر اور تکذیب دونوں ساتھ ساتھ آتے ہیں، ان دونوں جرائم کا ساتھ ساتھ ذکر ہوتا ہے تو کفر کی ابتدائی منزل یہ ہے کہ اللہ کے وجود کی جو شہادتیں انسان کی اپنی فطرت اور اپنے باطن میں مضمر ہیں، انسان ان کو دبا دے، چھپا دے، ان کی قدر نہ کرے، یہ اصل کفر ہے۔ اور تکذیب اس کے اوپر دوسرا ظلم ہے کہ جب رسول آئے، کتاب اتری، آیاتِ الٰہی نے ان کی فطرت اور ان کے باطن کی شہادتوں کے اندر ایک نئی زندگی پیدا کی، ان کو اجاگر کیا، اس کو حقیقت نفس الامری کی طرف از سرِ نو متوجہ کیا تو اسے جھٹلا دیا۔ فطرت اور باطن کی شہادتوں کو دبا دیا اور نبی کی تعلیم کو جھٹلا دیا۔ تو یہ دو جرم ہو گئے۔ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَکَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَاۤ ''کفر اور تکذیب ہم معنی نہیں ہیں بلکہ جرم کے دو علیحدہ علیحدہ پہلو ہیں ـــــ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ یہ لوگ ہیں آگ والے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔'' وَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ؀ ''اور وہ کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہے''۔ یہ ہے اصل ہار جیت، یہ ہے حقیقی ناکامی اور نامرادی۔ ابھی میں نے حضورؐ کا جو خطبہ آپ کو سنایا تھا کہ وَاِنَّہَا لَجَنَّۃٌ اَبَدًا اَوۡ لَنَارٌ اَبَدًا ؕ وہی بات یہاں فرمائی گئی کہ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ خَالِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ؀ یہ جہنم بہت ہی بُری جگہ ہے۔ جہاں انسان پہنچ جائے۔ یہاں وہ دعوتِ ایمانی ختم ہو گئی جو آٹھویں آیت سے شروع ہوئی تھی اور پہلا رکوع بھی ختم ہو گیا۔ (باقی آئندہ)

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافہ اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقہ کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔